علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ڈاکٹر سائرہ ارشاد

استاد، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

عاصمہ، لیکچرار، سپیریئر کالج ڈسکہ

نمک کا جیون گھر: تہذیبی شناخت کی بازیافت

Namak ka jewan Ghar: Reclaiming Civilizational Identity

Dr Saira Irshad, GSCWU.Bahawalpur

Aasma, Lecturer Superior college Daska

Abstract

The importance of Saraiki language and literature cannot be denied.In the present day, Rifaat Abbas's novel "Namak ka jewan ghar" has taken this further. lounki city of "namak ka jewan ghar" is a place in which death, time, war and weapons are not. In the fight between "I" and "You", "I" is always true from the colonial point of view. The culture of "You" was always used for abuse and it was used as a face of hatred, but in Rafat abbas's novel, "You" It is also a message of love. This novel is a sign of the fact that the desire to find peace in this country, and the recovery of the spiritual essence, adds to the literary glory of the novel.

Keywords: Physical Identity, Literary Significance, Living Home, Individual Power, Mind, Concept of Time and Space, Drama, Colonialism

تلخیص:

سرائیکی زبان وادب کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ موجودہ دور میں رفعت عباس کے ناول " لونڑ داجیون گھر "(اردو ترجمہ: نمک کا جیون گھر) نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا ہے۔ "نمک کا جیون گھر" کا لونڑی شہر ایسی جگہ ہے جس میں موت، وقت، جنگ اور ہتھیار نہیں ہیں۔ اس خطے کا بنیادی وظیفہ امن پسندی ہے، یوں مقامی باشندہ اپنی شناخت برقرار رکھتا ہے۔ میں" اور "تو" کی لڑائی میں استعماری اعتبار سے "میں" سچا ہوتا ہے۔ "تو" کی تہذیب وثقافت ہمیشہ گالی کے لیے استعمال ہوئی اور اسے نفرت کی بھینٹ چڑھایا گیا مگر رفعت کے ناول میں "تو" کے لیے بھی محبت کا پیغام ہے۔ یہ ناول جہاں اس بات کا عکاس ہے کہ اس دنیا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

میں امن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا وہیں تہذیبی شناخت کی بازیافت کا عمل بھی ناول کی ادبی شان میں اضافہ کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: مقامی شناخت، ادبی اہمیت، جیون گھر، انفرادی قوت، اذہان، تصورِ زمان و مکاں، ناٹک، نو آبادیات۔

ہر خطے کے انسان کوئی نہ کوئی زبان بولتے ہیں اور وہی زبان ان کی پہچان بن جاتی ہے اور اسی زبان سے اس ملک و قوم کی ترقی ہوتی ہے۔ برصغیر کی باقی زبانوں کے ساتھ اُردو زبان بھی ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے اور اس میں علم و ادب کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ مقامی بولیوں میں سرائیکی زبان جنوبی پنجاب میں تاریخی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے، دیکھا جائے تو سرائیکی زبان پورے وجود کے ساتھ نہ صرف ہمارے سامنے آتی ہے بلکہ یہ جنوبی پنجاب کی سب سے بڑی شناخت بھی قرار دی جاتی ہے۔

سرائیکی زبان کی تاریخی اہمیت جہاں مسلّم ہے وہاں اس کی ادبی اہمیت کو بھی نہیں ٹھکرایا جا سکتا نیز تاریخی حیثیت کی بدولت اس کی ہر ادبی جہت اپنی اپنی جگہ ایک روایت لیے ہوئے ہے۔ شاعری ہو یا غزل دونوں سطح پر یہ زبان اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ سرائیکی شاعری میں نظم، غزل، رباعی اور دوہڑا ایسی اصناف کو زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی جب کہ نثری حوالے سے داستان، ناول، افسانہ، تحقیق، تنقید، تاریخ، سیرت، قرآن مجید کے تراجم ہو چکے ہیں اور اس لحاظ سے سرائیکی زبان اپنی حیثیت منوا چکی ہیں۔

نثری ادب میں ایک نمایاں اضافہ رفعت عباس کے ناول "لونڑ داجیون گھر" (اردو ترجمہ: نمک کا جیون گھر) نے کیا ہے۔ رفعت عباس ایک منجھے ہوئے لکھاری ہیں۔ ان کی اصل پہچان تو شاعری ہے لیکن وہ نثر میں بھی اپنے فن کا سکہ جما چکے ہیں۔ رفعت عباس ۷ جولائی ۱۹۵۷ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ رفعت عباس ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۸ء کے مابین لکھنا شروع کی۔ ۱۹۸۴ء میں پہلا شعری مجموعہ "پرچھاں اُتے بُھل" ۱۹۸۹ء میں، دوسرا نظموں کا مجموعہ ہے "جھومری جُھم ٹورے" ۱۹۸۹ء میں، اور تیسرا نظموں کا مجموعہ "بھنودی بھنوئیں تے" ۱۹۹۲ میں شائع ہوئے۔

رفعت عباس کو تیسرے مجموعے کی اشاعت پر "اکادمی آف خواجہ فرید ایوارڈ" ملا۔ شاعری کی چوتھا مجموعہ "سنگت وید" ۱۹۹۵ء، طویل نظموں کا مجموعہ "پروبھرے ہک شہر وچوں" ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔

چھٹا قافیے کا مجموعہ "عشق اللہ سائیں جا گیا" ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ ساتواں مجموعہ کافیوں کا "مکھ آدم دا" ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ نواں غزلیات کا مجموعہ "ایں نارنگی اندر" ۲۰۱۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ رفعت عباس کے دو سرائیکی ناول "لونڑ داجیون گھر" اور "نیلیاں سلھاں پچھوں" کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ رفعت عباس نے جب حکائتیں لکھیں تو نظم اور نثر کے درمیان ایک راستہ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نکلا۔ کہ حکایت لکھتے ہوئے نثر بھی لکھ سکتا ہوں تو میں نے نثر لکھنا شروع کی۔ رفعت عباس کو تمغہ حسن کارکردگی سول ایوارڈ ۲۰۲۱ء میں ملا۔

ناول "لونڑ داجیون گھر" کا اردو ترجمہ منور آکاش نے "نمک کا جیون گھر" کے عنوان سے کیا۔ اس کا ہر باب راوی کی ذاتی ڈائری سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ناول کوئی پرانا قصہ نہیں بلکہ ایک بندہ نئے زمانے میں کہانی بیان کر رہا ہے۔ موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے موجودہ دور کی کہانی کو سنا کر اکٹھا کر رہا ہے۔ یہ ناول بظاہر پیچیدہ ہے کیوں کہ یہ دو ٹائم میں چل رہا ہے۔ "نمک کا جیون گھر" علامتی ناول جب کہ تہذیب و ثقافت کے حوالے سے رفعت عباس اپنا مؤقف واضح کرتے ہیں کہ۔:

> "میرے خیال میں آخری بازی ہم جیت سکتے ہیں۔ ہمارے دور افتادہ شہر اپنی جون بچا سکتے ہیں۔ ہم اپنی مابولیوں، تہذیب و ثقافت کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہمارا تسلسل ہماری طاقت ہے۔"[1]

لونڑ کا اس کہانی میں مرکزی کردار کی حیثیت سے منظر عام پر آتا ہے اور ناول کے آغاز سے ہی گم ہو جاتا ہے۔ لونڑ کا کا گم ہونا اس ناول میں اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی بھی کام کسی کے بغیر رُک نہیں سکتا۔ شروع میں لونڑ کا خدا یا دیوتا سمجھا جانے لگا لیکن جیسے ہی وہ گم ہوا تو کام ویسے چلنا شروع ہو گئے۔ کبھی کبھی اس ناول کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے مذہب سے ایک کھلی جنگ ہے لیکن جیسے ہی ہم گہرائی میں جاتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ناول میں اوقات کی گنتی کی گئی ہے اور یہ کہ مذہب کے ساتھ ناول کے اندر زمانے کی تقسیم کی گئی ہے اور اس تقسیم سے وقت کو چلایا گیا ہے وقت کی نفی ہوتی گئی موجودہ حالات واقعات کے پیش نظر یہ ناول ایک انفرادی قوت اور مقامی شناخت رکھتا ہے۔:

> "ثقافت، تہذیب او تمدن کو الگ الگ شناخت بناتے وقت اس کے تسلسل کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ اس کے مختلف مدارج اور مراحل ہیں جو ایک ہی زنجیر کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔"[2]

اس ناول کو پڑھ کر زندگی میں ہار جیت کے مختلف پہلو ایک انوکھے انداز سے سامنے آتے ہیں۔ لونڑ کے جیون گھر میں وقت کی جگہ اور بناوٹ بھری بھری سی معلوم ہوتی ہے۔ اس ناول میں وقت کی پہلی شان خود وقت کا خیال اور عقل و فہم ہے ایک طرح سے تو لونڑ کا کا گم ہو جانا اس ناول میں وقت کے جاری ہونے کا پیغام ہے۔ لونڑیو اسیوں کو لونڑ کا سے گہری محبت تھی اس لیے یہ ناول محبت کا پیغام بھی دیتا ہے۔ ناول کا لونڑی شہر ایسی جگہ ہے جس میں تاریخ کی کروٹ اس تقویم سے بالکل الگ ہے۔ ایک ایسی جگہ جس میں نہ کوئی موت ہے، نہ وقت، نہ جنگ اور نہ ہتھیار۔ لونڑی کے مقامی موت کا ادراک نہیں رکھتے۔ وہ ہتھیار سے آگاہ نہیں ہیں، اسی طرح کسی دیوتا کا بوجھ ان کے اذہان میں نہیں ہے۔ اس حوالے سے قرۃ العین حیدر کی رائے سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ۔:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"ہندوستانی مزاج زمان و مکان کی حدود و قیود سے بے نیاز ہر طرح کی تفریح سے لطف اندوز ہونے کے لیے تیار تھا۔"[3]

ناول کی زبان فلسفیانہ ہے۔ ہر شبد سے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ماہر تاریخ دان اپنے ہاتھ کی صفائی دکھا رہا ہے۔ ہر صفحے سے واضح ہوتا ہے کہ کسی محقق ماہرِ لسانیات کی طبع آزمائی آشکار ہو رہی ہے۔ غرض یوں لگتا ہے کہ مصنف کی نگاہ سے زندگی کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں ہے۔ ناول کی پرتیں کھولتے جاؤ تو ادب، فلسفہ، تاریخ، سائنس، لسانیات کے اسرار افشاں ہوتے جائیں گے۔

لونڑی شہر زمان و مکاں کی ان بندشوں سے آزاد ہے جہاں نفسیات کے اصول کارفرما ہیں۔ یہاں کی میکانکی خوبیاں دیوتا کی بنائی گئی دنیا کے فطری اصولوں سے الگ ہیں۔ خواب دیکھنے والے ذہن کے لیے اپنے جسم کا ہونا لازمی نہیں۔ یہاں کوئی بھی بندہ کسی دوسرے کے خواب دیکھ سکتا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے خواب کو کنٹرول اور دوسرے کو منتقل کر سکتا ہے۔ یہاں خواب سراب نہیں حقیقت ہے۔ خواب کسی خیال کا نام نہیں بلکہ ایک ایک وجود کا نام ہے۔ ایک ذہنی کیفیت کا نام نہیں ایک جستجو، ایک تلاش کا نام ہے۔ لونی شہر کی نقاشی کا نام ہے۔

آسمان کسی لاحاصل چیز کا نام نہیں بلکہ لونڑی شہر تہذیب کی اتنی بلندی پر ہے کہ سیڑھیاں چڑھتے وقت آسمان ان کے سروں کو چھوتا ہے۔ ان کے احترام کے لیے نیچے اتر آتا ہے۔ کیوں کہ شہر میں کوئی دیوتا موجود نہیں اس لیے ہر چیز لونی کے مقامی بناتے ہیں۔ درشا (ایک کردار) ہرن بناتا ہے جس کی آنکھیں بارش اور خوابوں سے بنتی ہیں۔ رات کا لفظ ناول کے کردار "رتڑی" سے ماخوذ ہے۔ اس شہر میں نہ کوئی دن ہے نہ کوئی رات۔ اس لیے وہاں کوئی موت بھی نہیں ہے۔ یہاں کوئی علم الہامی نہیں یہ بس رفعت کا لونڑیشہر ہے۔ ایک جگہ پر رفعت صاحب خود فرماتے ہیں کہ وقت (کلاک) کا لونیلزم کی بہت بڑی دین ہے کیوں کہ اس وقت کے ذریعے مقامی آدمی کو لندن کے وقت (GMT) کے ساتھ پابند کیا جاتا ہے۔ لیکن لونڑیشہر میں وقت کسی لمحے کا نام نہیں ایک مقامی عنصر ہے جسے لونڑیاسیوں نے خود تخلیق کیا۔ اس کے ساتھ بچے بڑے سب کھیل سکتے ہیں۔ یہ کبھی ان کی منڈیروں پر پنچھیوں کی طرح بیٹھتا ہے تو کبھی لونڑیشہر میں مدھر آوازوں کا اضافہ کرتا ہے۔ لوگ وقت کے پابند نہیں بلکہ وقت ان کے لیے محض ایک تفریح ہے۔ ایک پنچھی ہے جو لونڑی واسیوں سے بچھڑ نہیں سکتا، ایک گیند کی طرح ہے جسے لوگ جہاں پھینکتے ہیں وہاں جاتا ہے۔ گردشِ دوراں سے نہیں بلکہ مقامی آدمی اپنے آرٹ سے ہی سال کے بارہ مہینے تجویز کرتا ہے۔

ناول کے شروع میں لونڑی شہر قاری کے لیے ایک انجان دنیا ہے۔ وہ اسے محض شاعرانہ تخیل سمجھتا ہے۔ کیوں کہ لونڑی کی تاریخ عیسوی تاریخ سے مختلف ہے۔ اس کی تقویم لونڑکا کے وصال سے شروع ہوتی ہے۔ قاری اس کی تاریخ کو نہیں سمجھ سکتا۔ مگر مصنف اسے عیسوی تاریخ کے ساتھ مکس کر کے قاری کی پہچان کراتا ہے۔ یہ جنتری قاری کی سمجھ میں تب آتی ہے جب مہابھارت

Volume: 3, Issue: 1
Issu Date: 1st January 2024

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

کے لٹریچر سے لونڑیشہر کا تعلق بتایا جاتا ہے۔ جب یہ بات سمجھائی جاتی ہے کہ منصور حلاج کی کہانی لونڑکا کے کردار سہاگے سے کس طرح متماثل ہے۔ جب یہ بتایا جاتا ہے کہ لونڑی شہر کا جغرافیہ کیا ہے، ملتان اور لونڑیکا بیانیہ کس طرح ایک جیسا ہو سکتا ہے، تو پھر قاری پر لونڑیشہر کا تخیلاتی طلسم ٹوٹتا ہے اور لونڑکا حقیقت کو آسانی سے تسلیم کر لیتا ہے۔

فزکس میں سپیشل ریلیٹیویٹی تصور کے تحت زمان و مکاں کو ایک دوسرے کے حساب سے ماپا یا ضم کیا جا سکتا ہے۔ میکونسکی کے تصورِ زمان و مکاں کے اعتبار سے لمحہ اور فاصلہ کو ایک ہی اکائی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر دو مشاہد ایک لمحے میں کسی وقت کی لمبائی پر اتفاق نہیں کریں گے تو یقینی طور پر عین اسی لمحے فاصلے کی لمبائی پر بھی اتفاق نہیں کریں گے۔ لونڑیشہر میں بھی زمان و مکاں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا رہا۔ زمان و مکاں ایک دوسرے میں ضم ہو کر چہار جہتی اکائی بن جاتے ہیں۔ اسی لیے شہر میں موجود کیلنڈر اپنے اندر گلیاں رکھتا ہے، اس کیلنڈر میں کوچے ہیں، گھر ہیں۔ یہاں کمیت اور توانائی ایک دوسرے میں تبدیل ہو رہے ہیں سو ناول کے کردار اس کیلنڈر کے مہینے ہیں۔

سپائینوزا کے نظریے کے مطابق خیالات، سوچ، جسم اور ذہن سب ایک ہی شے کی اصل ہیں۔ وہ اصل خدا ہے۔ سہاگا ناول کے مرکزی کردار لونڑکا کی سوچ کا عکاس ہے لہذا اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ لونڑکا سہاگا کے اندر تحلیل ہو کر اس سے کہلواتا ہے کہ میں "لونڑکا" ہوں۔:

"طلسماتی کہانی کے ہیرو کے برعکس، کلچر ہیرو انفرادیت کا نہیں، اجتماعیت کا علمبردار ہے۔"[4]

"میں" اور "تو" کی لڑائی استعماری نظر سے اپنے معانی رکھتی ہے۔ استعماری اعتبار سے ہمیشہ "میں" سچا ہوتا ہے۔ تمام تہذیب، ثقافت، ادب صرف وہی مہذب ہوتا ہے جس میں "میں" موجود ہو۔ "تو" کی ثقافت، تہذیب، ادب "گالی" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہمیشہ اسے نفرت کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے مگر رفعت کے ناول میں "تو" کے لیے بھی محبت کا پیغام ہے۔ انگریزوں کی آمد سے نو آبادیات نے اپنی تہذیب، ثقافت، تاریخ سب کھو دی تھی لیکن لونڑی شہر کی تاثیرِ محبت نے انگریزوں کی استعماری جبل کے اندر جنا کو تلاش کیا۔ انگریز یہاں استعماری نقوش چھوڑ کر نہیں گیا بلکہ خود محبت کے جال میں پھنس گیا اور محبت کی بھرِ ام میں بسنے لگا۔ اس کی ٹوپیاں بندوقیں تانے سپاہیوں کو کمانڈ کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوئیں بلکہ پرندوں کے گھونسلوں کی "جاہِ استراحت" بن گئیں۔ اشتراکیت کی تعمیر کے لیے تہذیب و ثقافت کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

یہ ناول "وادی ہاکڑہ" کے تہذیبی رنگوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تاریخی سلسلوں کی کڑیاں ناول کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ اپنی تہذیب اور ثقافت کو اپنانا اور اس پر فخر کرنا کوئی معیوب بات نہیں دوسروں کی اچھائیاں ضرور اپنانی چاہیے۔ تاہم ہر مسئلے کا حل

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

جنگ نہیں۔ اس خطے پر بیرونی حملہ آور ہمیشہ گہرے اثرات مرتب کرتے آئے ہیں لیکن پنجاب کی بات کی جائے تو یہ اپنی ثقافت سے جڑے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محمد بن قاسم ہو یا انگریزوں کی آمد، انھوں نے ان مٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔

یہ قبیلہ "انسان دوستی" نبھاتا ہے "لونڑکا" کی تلاش کے علاوہ ایک دوسرے کو بھلائی کا پیغام ناول کا مرکزی نقطہ خیال ہے، یہ قبیلہ مشکل ترین حالات میں بھی قربانی کے جذبے کو فروغ دیتا ہے یوں کہ سکتے ہیں کہ سماجی معاملات کو نبھانے کا گُر اس قبیلے کے پاس موجود ہے۔ سولہ دریوں پر مشتمل یہ ناول مقامیت کا حسین امتزاج ہے۔ جنوبی پنجاب کے لوگوں کی عادات واطوار اور رسم ورواج کا پتہ ملتا ہے اس ناول میں گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی۔ جبکہ رفعت عباس کا تخلیقی انداز ناول کی ہئیت میں جان ڈال دیتا ہے۔:

"قلعے کی دیوار کے نیچے اس بوڑھے شہر کے تمام زمانوں سے کبوتر جمع تھے اور کسی کتھا میں دانہ پانی فراواں تھا۔"[5]

ناول کا مرکزی کردار لونڑکا، لونڑی شہر کا رہنے والا تھا۔ جب وہ کھو گیا تو اسکی تلاش کا سفر صدیوں پر محیط دکھائی دیتا ہے۔ لونڑکا کا ساتھی سارنگ، سبھاتی کا خاوند اور عشرا کا باپ تھا عشرا سدھارن کی بیوی درشا کی ماں اور لونڑکا کی محبوبہ تھی۔ درشا در حقیقت لونڑکا کا بیٹا تھا۔ لونڑکا کا گم ہو جانا ایسا نہیں کہ جس کی بدولت سب کے کام کاج رک جائیں بلکہ اس کی تلاش کا سفر جاری رہا۔ یہ سفر سو سال پر محیط تھا کہ اتنا عرصہ اس کی تلاش جاری رہی۔ ناول میں ابتدائی زمانہ وقت کی قید سے آزاد تھا۔ لونڑکا کی گمشدگی کے بعد وقت کا آغاز ہوا اور سال کے بارہ مہینوں کی تائید ملی۔ وقت کا آغاز خوشی کا باعث بنا۔ دوسری چیز کہ "موت" نہیں تھی تاہم جب وقت کا تعین ہوا تو موت بھی اس کے تعاقب میں تھی۔ موت انسان کو ہر ادیتی ہے "لونڑکا" کا کردار "دیوتا" کا نہیں تھا۔ وہ گم ضرور ہوا تھا تاہم اس کی موت نہیں ہوئی تھی۔ جب کہ لونڑی شہر میں "موت" کا آغاز ہوا تو وہ تکلیف لونڑکا کی گم شدگی سے بڑھ کر تھی۔

لونڑی واسی پر امن تھے تاہم اس میں "رگ وید" کے بعد نئی چیزوں کا انکشاف ہوا۔ کہ قبیلہ گھر جس کی دھرتی چھینتے اسے گالیوں سے نوازتے تھے۔

لونڑی واسی "خدا" یا مذہب سے الگ تھے تاہم ان پر یہ عقد کھلا کہ ہر "دیوتا" کے پیچھے نیچ اور اچھوت لوگ پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح دیگر چیزیں ان کے لیے نئی تھیں، یوں سمجھ لیں کہ۔:

"بھگوت گیتا نے اس کرے پر جنگ اور موت کی تائید فراہم کر دی ہے۔"[6]

دیکھا جائے تو ایک پر امن قبیلہ اس طرح کے معاملات میں الگ تھلگ تھا لیکن مذہب نے انکی زندگی میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ بظاہر یہ قصہ ایک شہر کا احوال ہے کہ جس میں رگ وید، یزالوں، رامائین، اور مہابھارت کے ماننے والے موجود تھے اور اس دور میں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

لونڑی واسی ابتدائی کھیل کو بھی شامل کرتے ہیں۔ انسان اپنی پیدا کردہ ثقافت کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتا ہے اور یہی چیز معاشرتی زندگی کو برقرار رکھنے کا ذریعہ قرار پاتی ہے۔:

"ثقافت ایک زندہ نظام ہے جو عموماً کسی خاص قوم کی معاشرت سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور پھر اسی معاشرے پر اثر ڈال کر تازہ قوت حاصل کرتی ہے۔ اس کی ترقی اور اس کا تنزل دونوں اسی قوم کی زندگی کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کی حامل ہو۔"[7]

ناٹک کا دور شروع ہوا، مکالمے کے ذریعے چبوترے پر "سارنگ" اور سگرایا" کے مابین کئی دن ناٹک جاری رہا۔ اسی سارے عرصے میں کئی طرح کی تبدیلیاں آئیں ۔ سبزیوں کی کاشت، کنویں کھودنے اور راستے بنانے جیسے معاملات پروان چڑھتے رہے تاہم لونڑ کا ایک گمشدہ کردار کی صورت میں "موجود" رہا۔ دوسرے لفظوں میں لونڑ کا "دیوتا" نہیں بلکہ ایک ایسا انسان ہے جس کی تلاش جاری ہے۔

کئی اتار چڑھاؤ اور حکمرانوں کی تبدیلیاں ناول کو جہاں تاریخ سے ملاتی ہیں وہیں مقامی آدمی کے موقف سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ کیلنڈر کا آغاز ہوا تو لونڑی واسیوں کا شعور بیدار ہوا تاہم اب انہیں خاص اور اہم موقعوں کو عبور رکھنا پڑتا تھا لونڑ کا کی تلاش جاری رہی۔:

"لونڑ کا کا عیسیٰ کی پیدائش سے ۴۰۰۰ سال سے گم ہوا اور اس کی گمشدگی کے وقت سے لونڑی سال کا آغاز ہوا تھا۔"[8]

لونڑی شہر کوزہ گری سے پرے کی دنیا ہے جہاں ہر بندہ اپنی ذات میں دیوتا ہے۔ ہر جناؤ (مقامی) صرف صراحی و مینا نہیں بلکہ طیور و آہو، کیلنڈر اور جنگل بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں پیشہ ورانہ جنسی تقسیم نہیں ہے۔ کسی کی نسبت اس کے پیشے، کاروبار، قوم برادری سے نہیں۔ کوئی امارت و افلاس کا تصور نہیں۔ زندگی چل رہی ہے تو شہر کے اپنے اصولوں پر۔ لونی شہر میں کسی خارجی تعلیم نے لوگوں کے ذہن نہیں بنائے۔ لونڑی واسی کسی حاکم کے سزاوار نہیں ہیں۔ خود ساختہ اذہان اپنی ٹھاٹھ پر قائم ہیں۔ یہاں کوئی خلق اشرف نہیں۔ محمد بن قاسم کے دور میں ان کے قاصد بھی اس علاقے میں پہنچے اس سے قبل دیگر مذاہب کا واسی بھی انہیں پیش کیا جا چکا تھا۔ اب محمد بن قاسم کے قاصد قبول اسلام کی طرف مائل کر رہے تھے تو اسی موقع پر سارنگ نے کہا۔:

"اس شہر میں جنگ کے ہتھیار نہیں بنتے ہیں۔ اس شہر میں حاکم ہے سپاہ ہے نہ مذہب ہے۔"[9]

ایسی دنیا جسے دیوتا نے نہ بنایا ہو وہ لسانیاتی طور پر بھی مکمل مختلف ہو گی۔ یہاں کسی گناہ کسی سزا کا تصور نہیں۔ یہاں کوئی اِکڑواہٹ کوئی تلخی نہیں۔ یہاں تو نمک کی بھی تاثیر شیرینی ہے۔ خدا کی دنیا میں جو ڈی سوسُر نے لسانیاتی سگنیفائر اور سگنیفائیڈ کا تصور

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

دیالو نڑی شہر ان تصورات سے آگے کی دنیا ہے یہاں الفاظ ذہن میں محض عکس کی صورت نہیں دھارتے۔ یہاں لفظوں کا کوئی کتابی روپ نہیں، یہاں شبدوں کی کوئی ذہنی کیفیت نہیں بلکہ بولے گئے الفاظ خود کو وجود میں ڈھال لیتے ہیں۔ یہاں لفظ کوئی ایبسٹریکٹ شے نہیں بلکہ جیتا جاگتا جسم ہے۔ یہ ہیگل کے جدلیاتی طریقہ کار جن کا اطلاق صرف دیوتا کی بنائی گئی دنیا کے لیے لاگو ہے، ان سے آگے کی دنیا ہے۔ ہر جن ٹے (مقامی) کی استطاعت ہے کہ لفظ بولیں اور انہیں وجود بخش دیں۔ یہاں سنتھیسز، تھیسز اور اینٹی تھیسز کا محتاج نہیں۔:

"ثقافتی ڈسکورس میں استعمال کردہ اصولوں کی بین الاقوامیت، بیانات دیتے وقت قابل تقلید اصول، سرکاری اور غیر سرکاری "تاریخ" میں فرق، یہ چیزیں یقینا تمام معاشروں میں عوامی مباحث کو منضبط کرنے کے طریقے ہیں۔"[10]

بحث سے آزاد یہ شہر اپنی طرز کا انوکھا شہر تھا۔ اگر وہ قبول اسلام کی طرف نہ آتے تو جنگ کا خطرہ لاحق تھا اور پر امن علاقہ کبھی ہتھیار بنانے کی طرف مائل نہ رہا تھا۔ جنگ انہوں نے لڑی نہ تھی اور موت سے انہیں فرار حاصل تھا۔ یہ لوگ جنگ کے حق میں نہ تھے یعنی ایسے پر امن تھے ان کے لیے جنگ کی بجائے اپنے بچاؤ کی تراکیب تلاش کرتے رہے۔:

"انھوں نے ناٹک کی حکمتِ عملی میں طے کیا کہ لونڑی کو اس کے چاروں اطراف سے چھپالیا جائے یہ شہر اپنے اندر یونہی موجود رہے لیکن باہر سے دکھائی نہ دے۔"[11]

عرب لونڑی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن اس علاقے میں نہ کوئی حاکم تھا نہ کوئی لشکر یعنی جنگ ہے نہ واقف لوگوں کے ساتھ لڑنے کی کوشش کی گئی۔ یہ لشکر ملتان فتح کر کے واپس چلا گیا۔ اس ناول میں "ناٹک" مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ لونڑی شہر آباد رہا کیونکہ ہندوستان میں مختلف اتار چڑھاؤ نے جہاں تہذیب ثقافت میں نمایاں تبدیلیاں کیں وہیں مذہبی نقطہ نظر سے کئی چیز سامنے آئیں لونڑکا کی تلاش جاری رہی اور زبانوں میں اضافہ ہوا۔ اور سفر ارتقائی مراحل طے کرتا رہا۔ مادی ترقی کو ثقافتی ارتقاکے ساتھ اس لیے جوڑا جاتا ہے کہ اس کی بدولے نئی اقدار جنم لیتی ہیں۔:

"ساری دنیا کا جلد یا بدیر صنعتی نظام پیداوار میں آجانا ایک ناگزیر امر ہے، جس کے نتیجے میں دنیا بالآخر ایک عالمی تہذیبی وحدت میں بدل جائے گی۔"[12]

انگریزوں کی آمد تک اس شہر میں کئی تبدیلیاں آئیں انگریز حاکم اس شہر تک رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے انہیں یہ شہر عجیب لگا۔ جب انہوں نے اس شہر کی سیر کرنا چاہی تو بتایا گیا کہ جنگ اور ہتھیار کے بغیر سیر کرنا ہو گی۔ فوجی وردی کی اجازت نہیں یہ بات انہیں ناگوار گزری انگریز یہاں کئی ترقیاتی کام کرنا چاہتے تھے ریلوے لائن بچھانا یا پل باندھنا۔ یعنی انگریز راج۔۔۔۔ کی شرائط

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نہ ماننے کی صورت میں جنگ کا خطرہ لاحق تھا اور یہ ہی چیز لونڑی واسیوں کو محمد بن قاسم کی یاد دلا گئی چناچہ انہوں نے انگریز کے ترقیاتی کاموں، کاروبار تک رسائی، محصول، انگریز راج، پرچم اور مقیم افسر جیسی شرائط رد کر دیں۔ اب اگلا مرحلہ جنگ کا تھا۔ جب کہ لونڑی واسیوں کے پاس ہتھیار نہ تھے۔:

> "لونڑی اپنی جنگ اپنے ناٹک میں لڑیں گے۔ ہم انگریز راج کو لونڑی کے ناٹک میں جنگ لڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر وہ جیت گیا تو ہم شہر تک رسائی دیں گے ورنہ پسپائی اختیار کرے گا۔"[13]

یہ ناٹک جنگ تین راتوں پر مشتمل تھی۔:

> "یہ لونڑی شہر تھا جس نے انگریز سپاہیوں کو ان کی وردیوں کی جگہ ناٹک کے لباس اور ہیٹ پہنائے تھے۔"[14]

پہلی رات کے ناٹک میں انگریز نے اپنی اساطیری، تاریخی اور تہذیبی روایت پیش کی جبکہ لونڑی واسیوں نے کنول کے پھول چبوترے پر بنائے اور یوں پہلی رات کا ناٹک جیت گئے، دوسری رات کے ناٹک میں لونڑی واسیوں نے سوانگ بھرا جبکہ انگریز اپنے روایتی غرور کو ختم کرے آئے، جس سے یہ پیغام دیا گیا کہ دنیا سپاہیوں کی بجائے ناٹک کاروں کے ہاتھوں میں زیادہ محفوظ ہے۔:

> "سرائیکی زبان سے پھوٹتا ہوا یہ ناول اساطیر، تارخ، سماج، معاشرت، تہذیب، فطرت، انسان اور دھرتی سے اس کے رشتے، فن اور زندگی سے متعلق دنیا بھر کے لوگوں کے مؤقف کو آشکار کرتا ہے۔۔"[15]

خدا، جنگ اور موت سے آزاد لوگ نیلے پرندوں کے ہمراہ داخل ہوتے جبکہ انگریزوں نے ان پرندوں کو بندوقوں کی کی بجائے اپنی ٹوپیوں سے روک کر ناٹک جیت لیا اور کھیل برابر ہو گیا

یہ ناول جنوبی پنجاب کی تہذیب و شناخت کا عکاس ہے مقامی لوگ اپنی محرومیوں کے باوجود مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ اس ناول کا مرکزی کردار دیوتا نہیں کہ لوگ اسے پوجنا شروع کر دیں بلکہ یہ عام انسان ہے۔ تاہم تین چیزوں کا اس ناول میں نہ ہونا اس بات کا اشارہ ہے کہ یہاں دنیا میں تین مرکزی چیزیں افراتفری میں مبتلا کرتی ہیں فساد کی وجہ بنتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے سے بغض، حسد، نفرت اور لڑائی میں پڑ جاتے ہیں خدا، موت، جنگ۔ اب یہ تینوں چیزیں لونڑی قبیلے میں نہیں تھیں تو انہوں نے آپس میں کوئی اختلاف نہیں رکھا۔ لونڑی قبیلے کے جینز میں یہ بات شامل تھی کہ وہ آپس میں مل جل کر رہیں گے پھر اس خدا کا وجود کسی بھی روپ میں جہاں خوف میں مبتلا رکھتا ہے وہیں اس حوالے سے اختلافِ رائے جنگ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اب یہ علاوہ اس قدر پر امن ہے کہ انہوں نے کبھی جنگ نہیں کی نہ جنگی ہتھیار بناتے۔ ابتدا سے ہی پر امن رہنے والوں نے بیرونی حملہ آوروں کو کبھی جنگ کی دعوت نہیں دی بلکہ ممکنہ کوشش کی جاتی کہ بات چیت ہو اور بات چیت بھی "ناٹک" ہے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

یہی ناٹک یا کھیل امن کی نشانی ہے اور یہ قبیلہ ہر موقع پر اپنے پر امن ہونے کا ثبوت دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ انگریز بھی یہاں قدم رکھتے ہیں تو تین دن کے ناٹک میں انہیں بھی دعوت دی جاتی ہے اس طرح وقت انسان کو جہاں خوف میں کرتا ہے وہین کم وقت مٰیں زیادہ حاصل کرنے کی لالچ بھی خود غرضی میں مبتلا کر دیتی ہے یہ واسی اس قید سے بھی آزاد ہیں انہیں ایک خاص نہج سے زندگی کے معاملات ت طے کرنے کی عادت ہے اور جب لونڑی کی تلاش کے عرصے بعد انہوں نے وقت کا تعین کیا تو وہ ترتیب بھی ان کے مطابق تھی انہوں نے اپنی ثقافت کے اور اپنے کرداروں کو مہینے کے ناموں میں بدلا انکے لیے مغربی کلچر کی چنداضرورت نہ تھی۔ اس قبیلے نے بیرونی حملہ آوروں کے اثرات قبول نہ کیے۔ اپنی ثقافت سے یہ لوگ اس قدر جڑے ہوئے ہیں کہ کبھی نہ دوسروں کی تقلید کی اور نہ خود کو تبدیل کیا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد ان کا خوف لونڑی واسیوں پر اثر نہ کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے تحکمانہ انداز اختیار کیا تو لونڑی قبیلہ بضد تھا کہ ان کی شرائط مان کر ہی اس شہر کی سیر کی جاسکتی ہے اور یوں انہوں نے انگریزوں کے تسلط سے روگردانی کی تاہم برابری کی کا عندیہ نہیں دیا بلکہ انگریزوں کے ہتھیار بھی تب آزمائے جاتے جب لونڑی قبیلہ بھی مدمقابل آئیں۔

اب یہ مقابلہ ممکن نہ تھا اسی لیے امن قبیلے نے جنگ کی بجائے "ناٹک" کی پیشکش کی۔ پہلا کھیل اس لیے جیتے کہ جنگی ہتھیار کی بجائے کنول کے تیر کے پھول دکھائے یعنی اپنے علوم وفنون کی مہارت سے خود کو منوایا۔ اب یہاں بھی ایک واضح پیغام ہے کہ اگر دنیا فتح کرنی ہے تو ہنر کے بل بوتے پر حصول ممکن بنایا جائے۔ دوسرا کھیل انگریز اپنی عیاری سے جیتے۔ تاہم ناٹک تین دنوں کا تھا۔ تیسرا دن "یدھ" کا باعث بنا۔ یعنی یہاں ناول نگار اپنے قصہ کو ایک ایسے موڑ پر ختم کرتا ہے کہ جہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے کیا لڑائی ممکن ہے یا میل ملاپ کے ذریعے اسے ٹال دیا گیا۔ بہر حال یہ سوال کئی طرح کا رخ اختیار کرتا ہے۔ قبیلے کے رہنے والوں نے ممکن ہے اس کے لڑائی بعد لڑائی میں محض اس لیے پیش رفعت کی ہو کہ مدمقابل کسی اور طریقے پر راضی نہ ہوا۔

سوال یہ کہ پر امن قبیلہ تھا انہوں نے لڑائی میں کیا مقابلہ کیا ہو گا۔ ہتھیار نہیں تھے تو کس طرح مقابلہ کر سکے۔ اس ناول نے لونڑی قبیلے کی جو اصطلاح وضع کی یعنی "نمک" کا استعارہ۔۔ شناخت ہے۔ نمک جو کھانے میں بظاہر ہلکا سا کم محسوس ہو تو اپنی کمی کا احساس س دلاتا ہے۔ یہ فیصلہ نمک کی طرح بے ضرر ہے بھی قبیلے میں نمک کی صفات ہیں یعنی نمک اپنے ہونے نہ ہونے کا اثر انہوں نے کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا تاہم ان کا اپنا قریبی ساتھی لونڑی گمشدہ ہے تو اس کی تلاش میں یہ سارا قبیلہ ہلکان رہتا ہے تاہم ان کے روز مرہ معاملات بھی ساتھ ساتھ چلتے ہیں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

یہاں لونڑی دوسرا نمک کا استعارہ غم کی علامت ہے تاہم ان کے ہاں "شکوہ" نہیں یہ قبیلے والے کیونکہ "موت" کے خوف سے آزاد ہیں لہذا ان میں ہمیشہ امن قائم رہتا ہے لونڑی کا چلے جانا انہیں مایوس نہیں کرتا بلکہ اپنے معاملات میں وہ "لونڑکا" کی تلاش جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس ناول نے ہماری آرٹ کے اندر نیٹو آرٹ کا ایک نیا اضافہ ہے۔ ان ساری خوبیوں اور خامیوں کے باوجود نمک کا جیون گھر اردو ادب میں ایک اچھا اضافہ ہے آنے والے دنوں میں محققین اور نقاد اسے بہترین ناول قرار دیں گے۔

حوالہ جات

1۔ منور آکاش، مقامی آدمی کا مؤقف، (ملتان: فکشن ہاؤس، 2017ء)ص:62

2۔ ریاض ہمدانی، ڈاکٹر، اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ، (لاہور: فکشن ہاؤس، 2018ء)، ص:87

3۔ قرۃ العین حیدر، دلربا، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2000ء)، ص:14

4-وزیر آغا، ڈاکٹر، کلچر کے خدوخال، (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2009ء)، ص:51

5۔ رفعت عباس / منور آکاش (مترجم)، نمک کا جیون گھر، (لاہور: فکشن ہاؤس، 2022ء)ص:9

6۔ ایضاً، ص،68

7۔ یاسمین سلطانہ، ڈاکٹر، افسانوی ادب میں اسلامی ثقافت کے مظاہر، (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، 2018ء)ص:14

8۔ رفعت عباس / منور آکاش (مترجم)، نمک کا جیون گھر، ص:102

9۔ ایضاً، ص،106

10: ایڈورڈ سعید (مترجم: یاسر جواد)، ثقافت اور سامراج (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2009ء)ص:298

11۔ رفعت عباس / منور آکاش (مترجم)، نمک کا جیون گھر، ص:110

12-ارشد محمود، ثقافتی گھٹن اور پاکستانی معاشرہ، (کراچی: فکشن ہاؤس، 2021ء)ص:79

13۔ رفعت عباس / منور آکاش (مترجم)، نمک کا جیون گھر، ص:198

14۔ ایضاً، ص:208

15۔ ایضاً، ص:221